خدا کی معرفت

قرآن اور عقلی دلائل کی روشنی میں

نعمان نیئر کلاچوی

خدا کی معرفت

قرآن اور عقلی دلائل کی روشنی میں

پس خوب جان لو کہ خدا کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ (محمد ۱۹)

نعمان نیئر کلاچوی

نام مقالہ	خدا کی معرفت
مصنف	نعمان نیئر کلاچوی
ناشر	مرشد پبلی کیشنز، کلاچی، ڈیرہ اسماعیل خان
پی ڈی ایف ایڈیشن	جولائی، 2025

فہرست

پیش گفتار

انسانی عقل تین طرح کے علوم پر قانع ہوتی ہے۔ ایک وہ علم جو مشاہدہ و تجربہ کے بعد واقع ہو۔ دوسرا وہ جو منطقی استدلال کے نتائج سے پیدا ہو اور تیسری قسم کا علم وہ ہے جو خود خالق کی طرف سے انسان کو عطاء کیا گیا ہو۔ یہی تین ذرائع ہیں جن سے علم پیدا ہوتا ہے۔ مَیں اکثر و بیشتر یہ نکتہ عرض کرتا رہتا ہوں کہ انسانی عقل علم نہیں پیدا کرتی بلکہ یہ پیدا کئے گئے علم کا ادراک کرتی ہے۔ تجزیہ کرتی۔ تنظیم یا ترکیب کرتی ہے۔ اِس کے علاوہ نہ تو عقل کی کوئی صلاحیت ہے اور نہ ہی عقل اِن عوامل سے آگے جانے کی قوت رکھتی ہے۔ عقل اپنی اصل شکل میں ایک زبردست صلاحیت ہے جو انسان کو دیگر تمام جانداروں سے ممیز کر دیتی ہے اور یہی وہ صلاحیت ہے جس کی بنیاد پر ہم خود کو انسان کہنے کے قابل بن جاتے ہیں ورنہ جذبہ اور جبلت تو ہر جاندار میں پائے جاتے ہیں۔

وحی کو مسترد کر دینے کے بعد ہم علم کی قطعیت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں کیونکہ مشاہدہ ہمیشہ نامکمل اور مبہم ہوتا ہے جبکہ تجربہ انفرادی اور اضافی ہوتا ہے مثلاً کانچ کے گلاس میں پانی بھر کر چمچ ڈالنے سے چمچ کا مشاہدہ کریں تو چمچ ہمیں ٹیڑھی نظر آتی ہے اگر ہم چمچ گلاس سے باہر نکالنے کی صلاحیت کھو بیٹھتے تو ہمیں ہمیشہ یہی

معلوم ہوتا کہ گلاس میں موجود چمچ ٹیڑھی ہے۔ بالکل ایسے ہی جب ہم دھوپ میں بارش کے وقت آسمان پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں سات رنگوں کی ایک دلکش کمان نظر آتی ہے اور یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی پینٹر نے بارش کے پانی کو رنگ دے کر اُس سے یہ خوبصورت فن پارہ بنا دیا ہو لیکن آج ہم دھنک کی حقیقت سے واقف ہیں کہ وہ کیسے بنتی ہے۔ اِسی طرح کچھ فاصلے سے جب ہم چٹیل زمین پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں دور سے آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے نظر آتے ہیں جسے ہم عام زبان میں اُفق کہتے ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ بالکل ایسے ہی جب ہم صحراء میں سفر کرتے ہوئے دور سے پانی کی جھیل دیکھتے ہیں تو قریب جانے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو دھوپ کی چمک تھی جس نے ریت یا چٹیل زمین پر عکس بنا کر پانی کی جھیل کا سا منظر بنا دیا تھا۔ یہ ہے حال ہمارے مشاہدات کا جبکہ تجربہ کا کیا کہنا کہ یہ ہمیشہ اضافی یعنی Relative ہوتا ہے جب تک کہ وحی کسی خبر یا فعل کی قطعیت نہ ثابت کر دے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ہم وحی سے لاتعلق رہ کر صرف عقل کی بنیاد پر قادر مطابق ہستی کو دریافت کر سکتے ہیں تو اِس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ ہاں دریافت تو کر سکتے ہیں لیکن عقل ایمان پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ ایمان ہمیشہ قطعی علم سے پیدا ہوتا ہے اور اِس کیلئے وحی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ درج ذیل بحث میں ہم صرف اِس قدر کوشش کریں گے کہ منطقی استدلال کے نتیجے میں ایک

قادر مطلق ہستی کی ضرورت تک پہنچ جائیں چنانچہ یہاں تک پہنچنے کے بعد یا تو شعوری فرار کی راہ نکلتی ہے جسے قرآن کی اصطلاح میں کفر (مطلق اِنکار) کہا جاتا ہے یا پھر ایمان کی روشنی پیدا ہوتی ہے جو انسانی شعور کا بنیادی مقدمہ بن جاتی ہے۔ خدا کی ذات کو مشاہدہ و تجربہ سے نہیں جانا جا سکتا کہ انسان ممکن الوجود (Contingent Being) ہے یعنی یہ نہیں تھا پھر ہو گیا اور پھر نہیں ہو جائے گا جبکہ خدا کی ذات واجب الوجود (Necessary Being) ہے۔

انسان کا اصل تجرباتی مسئلہ یہ ہے کہ انسان خدا کو بھول کر اپنی ذات کی توجیہ سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (سورہ الحشر۔ آیت 19)

اور نہ ہو جانا اُن لوگوں کی طرح جنہوں نے خدا کو بھُلا دیا تو خدا نے اُنہیں اپنی ذات سے بے بہرہ کر دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔

گویا ہم عقلمند جانور یعنی انسان ایک ہی صورت میں شرفِ انسانیت تک پہنچ سکتے ہیں کہ جب ہم خدا قادر مطلق کو نہ صرف جان لیں بلکہ اُس سے وحی کے ذریعے سے مربوط بھی ہو جائیں۔

اب آ جائیں ذرا دوسری طرف جہاں خدا کے بغیر انسان اپنی توجیہ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ انسان ایک ارتقاء یافتہ جانور ہے۔ اخلاق دراصل انسان کی سماجی ضروریات کے سبب انسان کے اندر واقع ہوئے اور اب انسان اِس قابل ہو چکاہے کہ وہ سچ، جھوٹ اور خیر و شر خود ایجاد کر سکے۔ مطلب اب انسانی شعور اِس قابل بن چکاہے کہ وہ اپنی مرضی کا خیر اور شر پیدا کر سکتاہے حالانکہ یہ بے بنیاد مفروضہ تو صرف اِسی ایک اعتراض سے ہی اپنی موت آپ مر جاتاہے کہ کیا آج کا باشعور انسان ظلم کی تائید کر سکتاہے اور کیا پوری دنیامیں کوئی ایسی سرگرمی دیکھی گئی جہاں لوگ مل کر نعرہ لگارہے ہوں کہ اب ہم اپنے شعور کی بنیاد پر نہ صرف ظلم کو قبول کرتے ہیں بلکہ یہ دعوت دیتے ہیں تمام لوگوں کو کہ وہ آج کے بعد ظلم، قتل و غارت اور مار دھاڑ کو اختیار کر لیں کیونکہ آج سے یہ نیک کام بن گئے ہیں؟۔ بات یہ ہے کہ اگر انسان صرف یہی ایک نکتہ ہی سمجھ لے کہ میری عقل نیکی نہیں پیدا کر سکتی، میری عقل خیر نہیں ایجاد کر سکتی اور مَیں غور و فکر کی انتہاء تک پہنچ کر بھی شر کو خیر نہیں بناسکتاتو آگے خدا قادر مطلق کے وجود کا اقرار کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہ جاتا۔

بالفرض اگر اِس دنیامیں کوئی وحی کا انتظام نہ کیا گیاہوتا اور کوئی ایک بھی رسول نہ بھیجا گیاہوتا تو تب بھی انسانی شعور خود اِس اَمر کی گواہی دینے کیلئے کافی تھا کہ خدا قادر مطلق ضرور موجود ہے۔ وہ خالق ہے، وہ علیم ہے وہ خبیر ہے۔

وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ۔ (سورہ الذاریات۔ آیت 21)۔ اور خود تمہارے اپنے نفس کے اندر خدا کی موجودگی کی گواہی موجود ہے، کیا تم بصیرت (Intellect) نہیں رکھتے ؟۔

انسانی وجود، شعور، اخلاقی و جمالیاتی احساس، اِرادہ و اختیار آخر اِن سب میں سے کیا ہے وہ جو انسان کی ذاتی ملکیت ہے ؟۔ کچھ بھی نہیں۔ انسان سراپا عطاء ہے ورنہ انسان کی توجیہ تو ممکن ہی نہیں۔ حیاتیاتی ارتقاء (Biological Evolution) تو انسانی وجود اور شعور کی کیفیت ہے اِس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ انسان اپنا خالق یا ارتقاء یافت (Evolver) خود ہے یا خود بخود ہے ؟۔ بالآخر یہی ایک صورت باقی بچتی ہے کہ انسان اقرار کرلے کہ وہ کسی ایسی قادر مطلق ہستی کی شعوری تخلیق ہے جو انسان ہی کی طرح مگر کامل سمیع و بصیر اور علیم و خبیر ہے کیونکہ انسان کی صفات ودیعی (Bestowed) ہیں نہ کہ ذاتی۔ آنکھیں سلامت ہوتی ہیں اور بصارت ناپید ہو جاتی ہے، اِسی طرح کان صحیح سلامت ہوتے ہیں لیکن انسان سماعت سے محروم ہو جاتا ہے۔ پس انسان کا ایک ایک خلیہ (Cell) خدا قادر مطلق کی مشروط دَین ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کر کے کامل طور پر اُس کی عبودیت اختیار کرلے۔ چنانچہ پہلے معرفت پھر عبودیت۔

فَاعۡلَمۡ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (سورہ محمد آیت 19)

پس خوب جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔

فقیر

نعمان نیئرؔ کلاچوی 30 مئی، 2025

خدا کا ذاتی تعارف

جب ہم خدا کی بات کرتے ہیں تو بہت غور و فکر کے بعد بھی ہمیں فوری طور پر سمجھ نہیں آتی کہ آخر اِس لفظ سے مراد کیا ہے اور خدا کون ہے۔ پس یہ ہماری علمی عاجزی کا ایک خالص تجرباتی ثبوت ہے بالکل جیسے ایک نابالغ بچہ کہیں سے سُن لے کہ زمین گول ہے تو وہ یہ ضد لیکر بیٹھ جائے کہ مجھے دکھاؤ کہ زمین کیسے گول ہے حالانکہ بچے کو منطقی استدلال سے سمجھایا جاسکتا ہے کہ زمین کیسے گول ہے لیکن وہ ابھی اِس قدر باشعور نہیں ہوا کہ منطقی استدلال کو سمجھ سکے۔

کیا یہ آخری درجے میں معقول نہیں کہ ایک محدود شعور ایک لامحدود شعور کا احاطہ نہ کر سکے؟، اِس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ ہم اِس وقت جس شعوری کیفیت میں ہیں خدا کا مشاہدہ و تجربہ نہیں کر سکتے لیکن اِس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم قطعی طور پر معذور ہیں کہ خدا کے ہونے کا ادراک ہی نہیں کر سکتے۔

طبیعی حقائق (Physical Realities) جنہیں ہم آج تسلیم کر چکے ہیں یعنی زمان و مکان (Time and Space)، کششِ ثقل (Gravity)، قانونِ حرکت (Law of Motion)، حرارت کا بہاؤ (Second Law of Thermodynamics)، روشنی کی رفتار (Speed of Light)، بقائے توانائی (Conservation of Energy)، یہ تمام حقائق آج بھی مشاہدہ و تجربہ سے محروم ہیں۔ کسی نے بھی کششِ ثقل کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، نیوٹن نے سیب کو درخت سے گرتے ہوئے دیکھا تھا نہ کہ کششِ ثقل کا مشاہدہ کیا تھا۔ سیب زمین پر کیوں گرا، فضاء میں معلق کیوں نہ رہا یا دایاں بایاں جانب کیوں نہیں مُڑا، یہ اثر (Effect) تھا کششِ ثقل کا۔ یہی حال تمام طبیعی حقائق کا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو کششِ ثقل اپنی اصل میں ایک غیر مادی حقیقت ہے اور ہم نے اِسے صرف اِس کے اثر سے جانا۔ بالکل یہی اُصول خدا کی ذات کے متعلق بھی کائنات میں کار فرما ہے۔ قرآن اِسی بنیادی اُصول کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔ (سورہ فصلت۔ آیت 53)

عنقریب ہم اِنہیں آسمان و زمین کی وسعتوں میں اور خود اِن کی اپنی ذاتوں میں نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ اِن کیلئے بالکل واضح ہو جائے گا کہ بیشک وہ ہی حق ہے اور کیا تمہارے ربّ کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں؟۔

قرآن میں یہاں آیت سے مراد وہی اثر ہے جو ہمیں کششِ ثقل کے معاملے میں نظر آتا ہے چنانچہ خدا اپنے اثرات سے جو ہمارے اپنے نفس اور اس کائنات میں جاری و ساری ہیں، ہمیں ویسے ہی سمجھ آ جاتا ہے جیسے کہ ہم طبیعی حقائق کے اثرات سے اُن کے وجود کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ نکتہ سمجھ آ جائے تو کون ہوشمند انسان خدا کے وجود کا منکر ہو سکتا ہے؟۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ خدا کا ذاتی تعارف کیسے حاصل کریں اور کیا یہ تعارف حاصل کرنا ممکن بھی ہے یا نہیں؟۔ سادہ جواب یہ ہے کہ ہم خدا کا ذاتی تعارف نہیں حاصل کر سکتے۔ خدا کی ہستی کے اثرات اور خدا کی صفات سے ہم اُسے جان سکتے ہیں لیکن خدا کون ہے اور کیوں ہے جیسے سوالات کا جواب ہمارے شعور کی دسترس سے باہر ہے البتہ خدا کیسا ہے کا مکمل حال ہمیں قرآن میں قریباً ہر مقام پر نظر آ جاتا ہے۔ قرآن "ذاتِ خدا" کا تعارف نہیں دیتا، صرف صفات کا ذکر کرتا ہے اور وہ صفات بھی انسانوں میں پائی جانے والی صفات کی بلند تر شکلیں معلوم ہوتی ہیں۔ اِس سے لگتا ہے کہ خدا انسان کے تصور پر بنایا گیا ہے، نہ کہ اُلٹا۔

یہ سوال بنیادی طور پر علمِ الٰہیات (Theology) کے اس مسئلے سے متعلق ہے جو یوں بیان ہوتا ہے کہ:

کیا انسان نے خدا کو اپنے تصور پر بنایا ہے؟، یا خدا نے انسان کو اپنی شبیہ پر؟۔

قرآن عمداً ذاتِ خدا کا تصور بیان نہیں کرتا بلکہ صفات کو مرکز بناتا ہے اور یہ کسی علمی نقص یا فکری خلاء کی علامت نہیں بلکہ ایک فلسفیانہ فیصلہ (Deliberate Epistemological Stance) ہے۔پس قرآن ذاتِ خدا کی معرفت کو انسان کیلئے قابلِ رسائی نہیں مانتا یعنی انسان کا موجودہ شعور اِس قابل ہی نہیں ہے کہ وہ خدا کی ہستی کا براہِ راست مشاہدہ کر سکے۔ قرآن میں ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۔(سورہ الشوریٰ۔ آیت 11)

اُس ذات کی مثل تو (اُس کی مخلوقات میں) کچھ ہے ہی نہیں۔

ذات کا کچھ حال سورہ اخلاص میں موجود ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔(سورہ اخلاص)

کہہ دو کہ اللہ ایک ہے۔وہ احتیاج سے پاک ہے۔نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ وہ خود جنا گیا۔اور اُس کے برابر کا کوئی ہے ہی نہیں۔

ایک ہونا خدا کی صفت نہیں بلکہ ماہیت (Essence) ہے۔احتیاج سے پاک ہونا، ولادت و مولودیت سے پاک ہونا اور برتر ہونا خدا کی صفات ہیں۔یہاں پر پہلی آیت میں صرف اِس قدر معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ذات یکتائیت کی حامل ہے یعنی ایک ہونا اُس ذات کی ماہیت ہے اور ماہیت سے مراد یہ ہے کہ کثرت اُس کا

غیر ہے مطلب وہ اگر ایک نہ ہوتا تو وہ ممکن الوجود ہوتا جیسے کہ اُس کی مخلوق ہے۔ چونکہ وہ ایک ہے اِس لئے واجب الوجود ہے۔ واجب الوجود اگر ایک نہ ہوتو وہ ممکن الوجود ہو جاتا ہے کیونکہ تمائیز (Variations) کیلئے حدود درکار ہوتے ہیں۔ اگر دو واجب الوجود ہوں تو اُن میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہونا چاہئے تاکہ وہ وہ دو کہلا سکیں۔ فرق یا تو ذاتی صفات (Essential Attributes) میں ہوگا یا حادث صفات (Eventual Attributes) میں۔ اگر ذاتی صفات مثلاً وجود، قدرت، علم میں فرق ہو تو دونوں واجب الوجود نہیں رہ سکتے کیونکہ جس میں کمی ہے وہ "کامل" نہیں جبکہ واجب الوجود ہمیشہ مکمل ہوتا ہے۔

اگر فرق حادث صفات میں ہے تو وہ صفات واجب کے "باہر" سے آئی ہوں گی اور واجب الوجود ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو کسی اور چیز کا محتاج ہو۔ پس تمائیز کیلئے جو صفت بھی لائی جائے گی وہ واجب الوجود کو ممکن الوجود بنادے گی۔

البتہ ہمارا یہ حال ہے کہ ہم ممکن الوجود ہیں۔ ہم محدود ہیں۔ ہم فانی ہیں۔ ہمارا شعور ہماری ذاتی مِلک نہیں بلکہ عطائی ہے حتیٰ کہ ہمارے مشاہدے کی حد تک کبھی بھی کوئی انسان اپنی مرضی سے اِس دنیا میں نہیں آیا اور عموماً کوئی بھی انسان اپنی مرضی سے نہیں جاتا۔ پس ایسی صورت میں خدا جیسی لامحدود ہستی کا ادراک انسان کیلئے ممکن نہ ہونا آخری درجے میں معقول ہے۔ ایک محدود بصارت ایک لامحدود بصارت کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ قرآن میں ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ۔(سورہ الأنعام۔ آیت 103)

آنکھیں اُس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔

لیکن انسان جن صفات کا حامل ہے اور اِن کے اثرات سے بخوبی واقف ہے اِنہی صفات کی بنیاد پر خدا کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔یعنی انسان مہربانی کی صفت کا حامل ہے لیکن اِس صفت کی اعلیٰ ترین صورت خود خدا کے ہاں پائی جاتی ہے کہ اُس نے انسان کو بغیر انسان کی طلب یا ضرورت کے پیدا کیا۔انسان اِس قابل ہی نہیں تھا کہ وہ خود کو خود ہی پیدا کر لیتا یا خود بخود پیدا ہو جاتا۔یہ خدا کی کامل صفتِ رحمانیت ہی ہے جس کے سبب انسان کو وجود اور شعور عطاء ہوا۔پس یہی صفت جب خدا کے پاس ہو تو وہ کامل، اعلیٰ اور حتمی بن جاتی ہے اور اگر انسان کو عطاء ہو جائے تو وہ ادنیٰ اور فانی بن جاتی ہے۔یوں ثابت ہوا کہ انسان خدا کی صفاتِ عالیہ کا ایک ادنیٰ مظہر ہے اور اِسی کو قرآن بھی بیان کرتا ہے۔

ونَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي۔(سورہ الحجر۔ آیت 29)

اور مَیں نے پھونکی انسان میں اپنی روح۔یعنی انسان میں خدا کی صفات کا عکس ہے، نہ کہ خدا انسان کے عکس پر وارد ہوا۔یہی وجہ ہے کہ صفاتِ خدا کو سمجھنے کیلئے انسانی تجربے کو بطورِ ماڈل استعمال کیا جاتا ہے تا کہ ایک محدود شعور ایک لامحدود وجود کے کچھ پہلو سمجھ سکے۔

چند اہم خدائی صفات ملاحظہ کریں۔

خالق۔ رحمان۔ علیم۔ عزیز۔ حکیم۔ عادل

خالق۔ یعنی وہ نظر نہ آنے والے ایک انتہائی معمولی ذرے کا بھی پیدا کرنے والا ہے۔ وہ واجب الوجود ہے۔ وہ علّتِ اُولیٰ ہے۔ وہ ہر ہر شے کا خالقِ اصلی ہے۔

رحمان۔ یعنی جس کی مہربانی مطلق ہے مطلب کوئی طلب نہ بھی رکھے تو وہ تب بھی مہربانی کرتا ہے۔

علیم۔ یعنی جس کا علم حتمی ہے اور وہی علم کا اصلی اور واحد سرچشمہ ہے۔

عزیز۔ وہ مطلق زبردست ہے مطلب اُس کا اِرادہ ہی وقوع ہے۔

حکیم۔ یعنی وہ منطقی مغالطے نہیں پیدا کرتا یا نامعقول حرکات اُس سے صادر نہیں ہوتیں مطلب اُس کے ہر ہر کام میں کمال حکمت موجود ہوتی ہے۔

عادل۔ یعنی وہ انصاف کا سرچشمہ ہے۔ اُس کی سلطنت میں ایک ذرے کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں ہوتی۔ اگر اُس کی سلطنت میں ہم جیسی محدود شعور کی حامل مخلوق کو کچھ بے ڈھنگا نظر آ بھی جائے تو اُس کے ڈھنگ کی حتمی خبر صرف وہی عادل ہی رکھتا ہے اور عدل اُس نے لازم کر رکھا ہے۔

یہ تو ہو گئیں انسانی صفات جبکہ خدا نے کائناتی صفت (Cosmic Attribute) سے بھی اپنا آپ سمجھانے کا اہتمام کیا ہے۔ قرآن میں ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكَاةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُّوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ۔ (سورہ النور۔ آیت 35)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اُس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ پڑا ہے، چراغ شیشے کی قندیل میں ہے، قندیل گویا کہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارا، زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی، اِس کا تیل قریب ہے کہ بھڑک اُٹھے اگرچہ اِسے آگ نے نہ چھوا ہو، روشنی پر روشنی، اللہ جسے چاہتا ہے اپنی روشنی کی راہ دکھاتا ہے اور اللہ لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ نور کائنات کی ایک نہایت واضح اور قابلِ فہم صفت ہے جس کا مشاہدہ ہم ہر ہر لمحے میں کر رہے ہوتے ہیں پس خدا کو سمجھنے کیلئے اِس سے زیادہ واضح اور فصیح مثال کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

خدا نے جب بھی اپنے بندوں تک اپنا تعارف پہنچایا اِنہی صفات کی بنیاد پر پہنچایا چنانچہ اِس کے علاوہ کوئی صورت ممکن ہی نہیں کہ انسانی شعور خدا کا ذاتی تعارف حاصل کر سکے۔

☆☆☆☆☆

وجودیاتی دلائل

The Ontological Arguments

خدا موجود ہے ایک لمحے کیلئے اِس سے قطع نظر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ مادہ یعنی کائنات اور انسان کہاں سے آئے؟، مادہ میں حیات کیسے پیدا ہوئی؟، اور حیات میں شعور کیسے پیدا ہوا؟۔ مادہ کا غور سے مشاہدہ کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی ایک چیز بھی خود بخود پیدا نہیں ہو رہی جبکہ یہ مادہ ہمیں اپنی اصل میں پیدا کردہ معلوم ہوتا ہے چنانچہ وحی کے ذریعے سے تو یہ خبر ہمیں پہلے سے مل چکی تھی لیکن اب طبیعی سائنس نے بھی یہ ماڈل پیش کر دیا کہ یہ کائنات قریباً ساڑھے تیرہ اَرب سال پہلے ایک عظیم دھماکے سے پیدا ہو گئی۔ چلیں اب وحی اور طبیعی

سائنس اِس مقام پر تو متفق ہوئے لیکن بات یہاں ختم نہیں ہوتی، سوال یہ ہے کہ یہ کائنات جو حادث (Eventual) ہے یعنی پہلے نہیں تھی پھر ہو گئی تو جب یہ نہیں تھی تو تب کیا تھا؟، یہ پہلا سوال ہے جبکہ دوسرا سوال آئندہ دلیل میں پیش کیا جائے گا کہ وہ جو بِگ بینگ سے قبل موجود تھا وہ باشعور تھا یا لاشعور، فی الحال ایک واجب الوجود (Necessary Being) تو ثابت ہو گیا۔

طبیعی سائنس کہتی ہے کائنات کبھی مادہ سے خالی نہیں ہوتی اور Quantum Fluctuations کے سبب بِگ بینگ ہو گیا حالانکہ اِس کا کوئی بھی ثبوت فی الحال سائنس کے پاس موجود نہیں۔ یہ ایک مفروضہ ہے۔ غور طلب اَمر یہ ہے کہ ایک مکمل طور پر متحرک اور تزئین شدہ کائنات جس میں حیات بھی موجود ہے اور شعور بھی، کیسے کسی بھی غیر متحرک، مُردہ اور لاشعور وجود سے نکل سکتی ہے؟۔ یعنی سادہ سوال یہ ہے کہ ایک مٹی کے تودے سے پہلے بکری کا بچہ پھر انسان کا باشعور بچہ کیسے نکل سکتے ہیں جبکہ مٹی کا تودہ نہ حیات سے متّصف ہے اور نہ ہی شعور سے؟۔ کہنے تو کو یہ مفروضہ بھی جائز ہے کہ ایک بے جان مادے سے جاندار اور باشعور مادہ پیدا ہو گیا لیکن مسئلہ یہیں پر حل ہو جاتا تو آج ہم خدا کے وجود پر دلائل کیوں پیش کر رہے ہوتے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ اِس مفروضہ پر عقل قانع (Content) نہیں ہوتی اور یہی وہ خلش ہے جو ہمیں یہ ماننے پر مجبور کر دیتی ہے کہ نہیں ایک بے جان اور لاشعور مادے سے ایک متحرک، زندہ اور

باشعور مادہ نہیں پیدا ہو سکتا اور اگر یہ سچ نہیں ہے تو پھر سچ یہ ہے کہ کوئی ایسی قادر مطلق ہستی ضرور موجود ہے جس نے اپنے ارادے اور شعور ہی سے کچھ حصّہ اپنی مخلوقات کے ساتھ شیئر کر لیا ہے۔ اب وحی اِس عقلی ضرورت کو تسلی بخش حقیقت بنا دیتی ہے۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَوَالْاَفْـِٕدَةَ ؕقَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔ ۔(سورہ السجدہ۔ آیت 9)

پھر انسان کے وجود کو فائن ٹیون کیا اور اُس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تم کو کان دیئے، آنکھیں دِیں اور دل دیئے۔ تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔

یہ تو ہو گئی انسان کی توجیہ، اب کائنات کی توجیہ بھی ملاحظہ ہو۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕاِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔

(سورہ العنکبوت۔44)

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، بے شک اِس میں بھی نشانی ہے اہلِ ایمان کے لئے۔

آپ پوری دیانتداری کے ساتھ طبیعی سائنس کی توجیہ اور وحی کی توجیہ کا موازنہ کریں تو آپ کی عقل وحی کی توجیہ پر قانع ہو جائے گی البتہ اگر آپ اپنی عقل کو قناعت کی بجائے خواہ مخواہ تھکانا چاہیں تو کوئی پابندی نہیں ہے لیکن حاصل وصول

کچھ نہیں ہونا۔ وحی کی توجیہ پر قناعت کا نام ایمان ہے اور جو یہ ایمان لے آتا ہے اُسے قرآن مؤمن کہتا ہے۔

اگر ایک مخبر یہ خبر دے کہ ایک انڈے سے چُوزہ نکل آیا تو عقل اِس خبر پر قانع ہو جاتی ہے جبکہ اگر کوئی دوسرا مخبر یہ خبر دے کہ ایک کلر پرنٹر سے چُوزہ نکل آیا تو عقل بالکل بھی قانع نہیں ہوتی۔ بالکل یہی کیفیت وحی کی ہے کہ وحی مشاہدات و تجربات کا اہتمام نہیں کرتی بلکہ ایسے اخبارات مہیا کرتی ہے کہ جس سے انسانی عقل قانع ہو جاتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام عقل کی تربیت کرنے آتے ہیں تا کہ انسان اِس کائنات میں اللہ کا کھرا بندہ بن کر زندگی گزارے اور پھر بدلے میں اللہ اس بندے کو زبردست اَجر سے نواز کر اِسے اپنی ابدیت میں شامل کر لے۔ اب بتائیں اِس میں کوئی عقلی تفاوت پایا جاتا ہے ؟۔

ایک سائنسدان اگر ایمان کے دائرے میں رہ کر اپنا کام جاری رکھے تو کائنات پر غور و فکر اِس کی عبادت بن جائے اور اپنے اِس کام کے عوض اللہ کے ہاں خصوصی اَجر بھی پائے مگر کس قدر دکھ کا مقام ہے کہ طبیعی سائنس کا سارا مخفی اور اعلانیہ زور خدا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف سے پیش کی گئی ہدایت کو جھٹلانے میں لگ رہا ہے۔

اِس مختصر تمہید کے بعد ذیل میں تین ایسے وجودیاتی دلائل پیش کئے جارہے ہیں جن کی بنیاد کلاسیکی اُصولِ منطق، وجودیاتی تجزیہ اور عقلی حقیقتوں پر مبنی ہے۔

1. دلیلِ تصورِ کامل کا تجزیاتی انکشاف:

The Analytical Revelation of the Concept of the Perfect Being

"انسان کے شعور میں ایک ایسی ہستی کا تصور موجود ہے جو کامل ہے، ناقابلِ شکست اور ہر اعتبار سے افضل و اکمل ہے۔ شعور میں جو تصور پیدا ہوتا ہے وہ یا تو حقیقت کا عکس ہوتا ہے یا بے بنیاد خیالی ترکیب۔ ہر خیالی ترکیب کسی معلوم یا ممکن حقیقت پر مبنی ہوتی ہے مثلاً دیو، فرشتہ، سپرمین سب کسی حقیقی یا ممکنہ بنیاد کا امتزاج ہیں مگر "مطلق کامل ہستی" کا تصور کسی ممکنہ ترکیب یا خیالی اجزاء پر مبنی نہیں، وہ بذاتِ خود مطلق ہے، ناقابلِ تجزیہ ہے، اُس کے سوا کوئی بڑا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اِس لیے وہ تصور "نہ ممکنہ ترکیب" ہے نہ مجرد فرضی شے بلکہ شعور میں موجود "کامل وجود" کا تصور خود اپنی حقیقت کا تقاضا کرتا ہے۔

فلہٰذا خدا کا وجود خارجی (Objective) طور پر لازم ہے کیونکہ وہ شعور میں موجود ایک ایسا تصور ہے جو صرف موجود ہونے کی حالت میں ہی معقول اور بامعنیٰ ہوسکتا ہے۔

2. دلیلِ ادراکِ شعوری وحدت:

The Argument from Intelligible Unity

انسان ایک ایسے عالم میں شعور رکھتا ہے جو حیرت انگیز ربط، معانی اور قواعد پر مبنی ہے۔ وجودِ شعور اور معانی کا اِمکان صرف اُس وقت ممکن ہے جب حقیقت خود "معقول" ہو۔ اگر وجود ایک اندھا، غیر شعوری اور محض اندھی توانائی کا بے مقصد مظہر ہوتا تو اِس میں شعور، معانی، سچائی یا نظم کا امکان ہی نہ ہوتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ شعور، منطق، جمالیات، اخلاق، مقصدیت سب اِس حقیقت میں موجود ہیں اور اِن کا شعور ہمیں حاصل ہے۔ یہ صرف اُسی وقت ممکن ہے جب وجود کی بنیاد خود "عقل، شعور اور معانی" ہو، نہ کہ مادہ یا اندھی جبلت۔ اور وہ بنیاد جس سے شعور، معنیٰ اور نظام پیدا ہوں وہ لازماً خود شعور اور عقلی وحدت کا کمال ہونا چاہیے یعنی واجب الوجود خدا۔

3. دلیلِ امتناعِ لاخدا شعور:

The Impossibility of Godless Consciousness

اگر خدا نہ ہو تو شعور و وجود کی کوئی منطقی وضاحت نہیں دی جاسکتی۔

اگر کوئی ہستی لازماً موجود نہ ہو (یعنی خدا نہ ہو)، تو ہر وجود Contingent ہو گا یعنی ممکن الوجود۔ ممکن الوجود کی وضاحت صرف کسی علتِ خارجی سے ہو سکتی ہے اور جب تک ہم واجب الوجود پر نہ رکیں، وضاحت ممکن نہیں۔

اگر کوئی واجب الوجود نہ ہو تو کوئی چیز حقیقی، مستقل یا یقینی نہ ہو گی۔ سب کچھ اتفاقی اور بے بنیاد ہو گا۔ اِس صورت میں شعور، علم، سچائی، حتیٰ کہ خود دلیل دینا، سب بے معنیٰ ہو جاتے ہیں کیونکہ اِن کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں بچتی۔

فلہٰذا خود دلیل دینا، شعور رکھنا، یا سچائی کو ماننا دراصل خدا کے وجود کا ایک غیر محسوس مگر لازم اعتراف ہے۔

☆☆☆☆☆

کائناتی دلائل

The Cosmological Arguments

ایک لمحے کیلئے جب انسان کائنات کی وسعتوں، نظم و ضبط، تسلسل اور حیرت انگیز ہم آہنگی پر غور کرتا ہے تو ایک بنیادی سوال خود بخود ذہن میں اُبھرتا ہے کہ یہ سب کچھ کہاں سے آیا؟۔ یہ بے پناہ مادّہ، یہ قوانینِ طبیعیات، یہ زمان و مکان، یہ

ارتقاء اور تسلسل۔ کیا یہ سب خود بخود معرضِ وجود میں آ گیا؟، یا اِس کے پیچھے کوئی عظیم تر حقیقت، کوئی بالاتر وجود، کوئی فاعلِ مختار کارفرما ہے؟۔

تاریخِ انسانی کے ہر دور میں عقلا، فلاسفہ اور متکلمین نے اِس سوال کا سنجیدہ جائزہ لیا ہے اور آج جدید سائنسی مشاہدات ہوں یا قدیم فکری مکاتب، سب اِس اَمر پر کم و بیش متفق ہیں کہ کائنات ایک آغاز رکھتی ہے اور جو چیز آغاز رکھتی ہے، وہ خود اپنا سبب نہیں ہو سکتی۔

یہاں سے عقل ایک بلند تر سوال کی طرف بڑھتی ہے کہ اگر کائنات خود بخود نہیں آئی، تو پھر اِس کا سبب کیا یا کون ہے؟۔

یہیں سے کائناتی دلیل کا آغاز ہوتا ہے۔ ایک ایسی دلیل جو نہ صرف فلسفہ و منطق میں آزمائی گئی ہے بلکہ قرآنِ حکیم بھی اِسی طرزِ استدلال سے انسان کی عقل کو بیدار کرتا ہے۔

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ؟۔(سورہ الطور۔ آیت 35)

کیا وہ بغیر کسی چیز کے پیدا ہو گئے؟، یا وہ خود اپنے خالق ہیں؟۔

یہ سوال دراصل ایک عقلی دھچکہ ہے۔ کوئی چیز بغیر کسی سبب کے وجود میں نہیں آتی اور اگر ہر مخلوق کا کوئی خالق ہے تو پھر یہ عظیم الشان کائنات بھی ایک خالق کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

پس آیئے، ہم اِس دلیل کو مختلف پہلوؤں سے جانچتے ہیں—تاکہ نہ صرف یہ بات واضح ہو کہ کائنات کا کوئی سبب ہے بلکہ یہ بھی کہ وہ سبب خود واجب الوجود، ازلی، ابدی اور صاحبِ اختیار ہے جسے ہم "خدا" کہتے ہیں۔

1: دلیلِ سبب واَثر:

Argument from Cause and Effect

اِس کائنات میں ہمارا مشاہدہ ہمیں بتاتا ہے کہ یہاں ہر اثر (Effect) کا ایک سبب (Cause) ہے۔ بارش کا سبب بادل ہیں۔ بادل کا سبب بخارات ہیں۔ بخارات کا سبب سورج کی توانائی ہے۔ سورج کی توانائی کا سبب Nuclear Fusion ہے۔ نیوکلیئر فیوژن کا سبب مادہ اور اُس میں موجود کششِ ثقل یعنی Gravitational Force ہے۔

اِس مقدمہ کو پھر سے ترتیب کے ساتھ ملاحظہ کریں۔

1. بارش کا سبب: بارش اُس وقت ہوتی ہے جب بادلوں میں موجود پانی کے بخارات ٹھنڈک پا کر پانی کے قطروں میں بدل جاتے ہیں اور وہ قطرے زمین کی طرف گرتے ہیں۔

سبب:

بادل + ٹھنڈک + ہوا میں نمی = بارش

2. بادل کا سبب: بادل تب بنتے ہیں جب پانی زمین سے بخارات کی صورت میں اُڑتا ہے اور اُوپر جا کر فضاء میں منجمد ہو جاتا ہے۔

سبب:

زمین کی سطح سے پانی کا بخارات بننا (Evaporation) + ہوا میں اُٹھنا + ٹھنڈا ہو کر منجمد ہو جانا = بادل

3. بخارات بننے کا سبب: سورج کی حرارت پانی کو بخارات میں تبدیل کرتی ہے۔

سبب:

سورج کی توانائی (Heat) + پانی گرم ہونا = بخارات

4. سورج کی حرارت کا سبب: سورج خود ایک ستارہ ہے جو نیوکلیئر فیوژن کے ذریعے توانائی پیدا کرتا ہے۔

سبب:

نیوکلیئر فیوژن = توانائی (Heat + Light)

5. سورج کا سبب: سورج کی پیدائش ایک عظیم کائناتی عمل سے ہوئی جسے سائنسی لحاظ سے "ستاروں کی تشکیل" (Stellar Formation) کہتے ہیں۔ یہ عمل بڑے بادلوں (Nebulae) میں گیس اور گرد کے جمع ہونے سے واقع ہوتا ہے۔

سبب:

کششِ ثقل + مادہ کی موجودگی = سورج کی تشکیل

6. کششِ ثقل، مادہ، قوانینِ فطرت کا سبب: یہ وہ مقام ہے جہاں سائنسی نظریات خاموش ہو جاتے ہیں یا مفروضوں کی طرف نکل جاتے ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِن تمام قوانین، مادے اور توانائی کا پہلا سبب کیا ہے؟۔

پس یہ وہ مقام ہے جہاں بہت سے فلسفی، سائنسدان اور مذہبی مفکرین مجبوراً ایک "اوّل سبب" (First Cause) یا "غیر مسبب سبب" (Uncaused Cause) یا "غیر متحرک محرک" (Unmoved Mover) کی طرف اشارہ کرتے ہیں جسے مذہبی زبان میں "قادر مطلق خدا" کہا جاتا ہے۔

خلاصہ:

بارش + بادل + بخارات + سورج + نیو کلیئر فیوژن + سورج کی تشکیل + قوانینِ فطرت اور "؟"۔

اب یہ وہ مقام ہے جہاں علت و معلول کا سلسلہ کسی ایسے وجود پر جا کر رک جاتا ہے جو خود کسی علت کا محتاج نہیں۔

منطقی نکتہ:

اگر ہر چیز کا کوئی سبب ہے تو یا تو یہ سلسلہ لاانتہاء ہو جو عقلی طور پر مسئلہِ تسلسل (Infinite Regress) پیدا کرتا ہے یا کہیں نہ کہیں ایک ایسی حقیقت ہو جو "بِلا سبب" ہو یعنی قادر مطلق خالق۔

یہاں پر قرآن کی خبر ہی عقل کیلئے مطلوبہ غذاء فراہم کرتی ہے۔

أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔(سورہ ابراہیم۔ آیت 14)

اللہ کی ذات میں بھی کوئی شک ہے بھلا؟، وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پہلی بار پیدا کیا۔

پس شعوری سطح پر کوئی شک نہیں کہ وہی اوّل ہے اور وہی آخر۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (سورہ الحدید۔ آیت 3)

وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز سے باخبر ہے۔

2: دلیلِ حدوثِ زمانی:

Argument from the Temporal Origination

کائنات میں زمانی آغاز(Temporal Beginning)پایا جاتا ہے یعنی کائنات کا کوئی نقطۂ آغاز ہے اور جو چیز کسی وقت میں وجود میں آئی ہو، وہ خود بخود نہیں آ سکتی بلکہ کسی لانے والے کی محتاج ہے۔ وہ ہستی جو ازلی و ابدی ہو اور جس کا وجود وقت سے ماوراء ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات زمان و مکان(Time and Space)پر مشتمل ہے۔ ہر لمحہ جو گزر رہا ہے، وہ ایک آغاز سے آگے بڑھ رہا ہے۔

اگر ماضی کا سلسلہ لاانتہاء(Infinite Regress)ہوتا تو "آج" کبھی نہ آتا۔

فلہٰذا ماضی کے واقعات کی تعداد محدود ہے۔ اِس کا مطلب ہے کہ کائنات کا آغاز ہوا تھا، یہ ہمیشہ سے موجود نہیں اور جو چیز کسی وقت وجود میں آئی ہو، وہ حادث (Eventual) ہے۔ پس ہر حادث کو ایک مُحدِث (Originator) چاہئے اور وہ "لازماً" وقت سے باہر، خود غیر حادث، ازلی اور قادر مطلق ہستی ہو۔

فلسفیانہ مثال:

اگر آپ کو یہ کہا جائے کہ سیڑھیوں کے لامتناہی سلسلے سے کوئی شخص نیچے اُتر رہا ہے تو وہ کبھی سیڑھی کے آخری قدم تک نہیں پہنچ پائے گا کیونکہ لامتناہی گنتی کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اِسی طرح اگر وقت کا ماضی لامتناہی ہوتا تو ہم آج کے لمحے کو کبھی نہ پاتے۔

سائنسی مطابقت:

بگ بینگ تھیوری اِس بات کی تائید کرتی ہے کہ کائنات کا زمانی آغاز ہوا ہے اور کائنات کوئی ازل سے قائم شے نہیں۔

Thermodynamics کا دوسرا قانون (Entropy) بتاتا ہے کہ توانائی کم ہو رہی ہے اگر کائنات ہمیشہ سے ہوتی تو اب تک توانائی ختم ہو چکی ہوتی مگر وہ باقی ہے، اِس کا مطلب ہے کہ آغاز ہوا ہے۔

نتیجہ:

کائنات زمانی لحاظ سے حادث ہے اور ہر حادث کو محدث چاہئے جو زمان و مکان سے ماوراء ازلی و ابدی، خود غیر حادث، مطلق قدرت رکھنے والی ہو اور ایسی ہستی خدا قادر مطلق ہی ہو سکتی ہے۔

3: دلیلِ حقیقتِ وجود:

Argument from the Reality of Existence

کائنات میں ہر چیز وجود (Existence) رکھتی ہے مگر اِس وجود کا حامل کوئی بھی خود اِس وجود کا مالکِ حقیقی نہیں بلکہ اِسے یہ "دیا گیا" ہے۔ اِس کا مطلب ہے کہ وجود بذاتِ خود (Being Itself) کوئی اور شے ہے جو باقی ہر شے کو وجود عطاء کرتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز "ہے" (Exists) اور یہ "ہونا" ایک اصل حقیقت ہے مگر کوئی بھی چیز خود سے موجود نہیں۔ نہ پتھر، نہ درخت، نہ انسان۔ ہر چیز میں "وجود" (Existence) اور "ماہیت" (Essence) الگ الگ ہیں۔ ماہیت کسی چیز کی وہ حقیقت ہے جس کے ذریعے سے وہ کیا ہے یعنی What is? معلوم ہوتا ہے جبکہ وجود اُس اَمر کا نام ہے کہ وہ چیز واقعی خارجی دنیا میں موجود ہے۔

عقلی لحاظ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وجود کا مآخذ کیا ہے؟۔یا چیزیں "ہیں" کیوں؟،یعنی Why is there something rather than nothing?

اِس کا جواب یہ نہیں ہو سکتا کہ وجود بس "اتفاقی" ہے کیونکہ اتفاق کوئی چیز وجود میں نہیں لا سکتا اور اگر ہر چیز کو وجود "ملا" ہے تو آخر وہ دینے والا کون ہے؟۔

فلہٰذا لازماً ایک ایسی ہستی ہونی چاہیئے جس کی ماہیت اور وجود ایک ہو یعنی جس کا ہونا اُس کی ذات ہو اور جو خود عین الوجود ہو یعنی Being Itself ہو اور وہ خدا قادر مطلق ہی ہو سکتا ہے۔

فلسفیانہ مثال:

ایک مجسمہ (Statue) صرف اُس وقت "ہے" جب اُسے کوئی مجسمہ ساز (Sculptor) تخلیق کرے۔خود مجسمہ میں "ہونے" کی کوئی خود مختار صلاحیت نہیں ہوتی،اِسی طرح ہر مخلوق کا وجود عاریۃً (Borrowed) ہے اِن کا اصل نہیں فلہٰذا کوئی ایسا وجود ہونا ضروری ہے جو اصلاً وجود ہو ورنہ کسی بھی چیز کو وجود نہیں مل سکتا اور یوں وجود ہی ناپید ہو جائے گا جو کہ نہیں ہے۔چنانچہ جب وجود موجود ہے تو اِس کا اصل الوجود بھی موجود ہے اور وہ خدا قادر مطلق ہے۔

☆☆☆☆☆

غایاتی دلائل

The Teleological Arguments

انسانی عقل کی یہ بنیادی خاصیت ہے کہ وہ اشیاء میں ترتیب اور تزئین کو فوری پہچان لیتی ہے اور صرف اتنا نہیں کہ ترتیب و تزئین کا ادراک حاصل کر لیتی ہے بلکہ یہ بھی ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہے کہ آیا مشہود شے میں یہ ترتیب و تزئین پیدا کیسے ہوئی۔ بس یہی وہ عقلی خاصیت ہے جو انسان کو ایک صانع مطلق کی طرف لے جاتی ہے۔ ویسے تو انسان کا پورا جسم اور پھر جسم کا ایک ایک عضو اِس قابل ہے کہ اِس پر غور کیا جائے کہ اِس کی یہ ترتیب، تزئین اور انتظام کس قدر بصیرت افروز ہے اور یہ اِس قدر نہایت ترتیب و انتظام سے مربوط کیا گیا جسم کیسے خود بخود واقع ہو سکتا ہے؟۔ یہ خود بخود والا واہمہ دراصل ایک نہایت غیر ذمہ دارانہ علمی فرار ہے حالانکہ انسان اچھی طرح جانتا ہے کہ ایک ایٹم بھی ہم نے خود بخود واقع ہوتے نہیں دیکھا۔ اب جب ایک ذرہ خود بخود پیدا نہیں ہوا نہ ہم نے مشاہدہ کیا تو یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ یہ پوری کائنات بشمول انسان جیسا محیر العقول عجوبہ خود بخود پیدا ہو گیا۔

باقی دلائل تو خیر بعد میں پیش کریں گے سرِ دست مَیں انسان کے وجود کے اندر جو ایک عمومی حُسن و قبح (Beauty and Ugliness) ہے اُس پر غور کرنے کی طرف توجہ دِلاتا ہوں کہ کس طرح انسان ایک نپے تُلے ڈھانچے کے ساتھ آہستہ

آہستہ جوان ہوتا چلا جاتا ہے اور پھر یہی حُسن آہستہ آہستہ ماند پڑ جاتا ہے اور ایک وقت میں وہ چہرہ جو کبھی پھول کی طرح مہکتا تھا دراڑ پڑی زمین کی طرح جھُریاں جھُریاں ہو جاتا ہے۔ ہم میں سے ایک شخص سچائی کی خاطر اپنے آپ کو قربان کر دیتا ہے۔ ظلم کے خاتمے کیلئے اپنی جوانی اور وسائل تک قربان کر دیتا ہے اور اِس کے مقابلے میں ہم میں سے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو انسانوں کو گِدھ کی طرح نوچ کھا رہے ہوتے ہیں۔

یہاں صرف حُسن میں ترتیب و تزئین نہیں پائی جاتی بلکہ بُرائی بھی اپنے آپ کو مزیّن کر کے پیش کرتی ہے۔ کمال سے زوال اور حُسن سے قبح خود بخود واقع ہو جائے، انسانی عقل اِس اَمر پر قانع (Content) نہیں ہوتی۔

غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اگر برائی حُسن کا سہارا نہ لیتی تو وہ قابلِ قبول کیسے ہوتی؟۔

اب ہم غایاتی دلائل بیان کرتے ہیں۔ اِن دلائل کی چند مضبوط، جامع اور مختلف انداز سے پیش کی گئی صورتیں دی جا رہی ہیں۔

1. کلاسیکی دلیلِ نظم:

اگر آپ کو ایک گھڑی زمین پر پڑی ملے تو آپ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ کسی ذہین انسان نے بنائی ہے کیونکہ یہ پیچیدہ اور دقیق ہے۔ اِس کا ہر پرزہ ایک مقصد کے لئے ہے اور یہ ایک مربوط نظام میں کام کرتا ہے۔ اِسی طرح جب ہم کائنات کی

طرف دیکھیں جو گھڑی سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے تو کیوں نہ ہم یہ مان لیں کہ اِس کا بھی کوئی خالق اور منتظم ہے؟۔

* نتیجہ *:

نظم وغایت کسی ذہین ہستی (Designer) کا پتہ دیتی ہے اور وہ ہستی خدا ہے۔

2. جدید حیاتیاتی دلیل:

صرف ایک لمحے کیلئے اگر ہم انسانی نظامِ تنفس (Respiratory System) پر غور کریں تو یہ اتنا نازک، پیچیدہ اور حساس ہے کہ ذراسی خرابی ہو جائے تو زندگی ختم۔ پس اِس قدر پیچیدہ اور نہایت دقیق نظم کیسے خود بخود بغیر کسی باشعور تخلیق کے بن گیا؟۔

یہ سوال محض جذباتی یا روایتی نہیں بلکہ بہت مضبوط عقلی و سائنسی اعتراض ہے جسے فلسفۂ فطرت میں Argument from Design (دلیلِ نظم) کہا جاتا ہے۔ آیئے اِس سوال کو سائنسی، فلسفیانہ اور دینی ہر زاویے سے سمجھتے ہیں۔

1. نظامِ تنفس یعنی ایک ناقابلِ یقین انجینئرنگ کا شاہکار:

انسانی جسم کا نظامِ تنفس ایک انتہائی پیچیدہ اور دقیق نظام ہے جس میں درج ذیل چیزیں مکمل ہم آہنگی کے ساتھ کام کرتی ہیں۔

ناک: ہوا کو چھانتا، گرم کرتا، نمی دیتا۔

نرخرہ (Trachea): ہوا کو پھیپھڑوں تک لے جاتا ہے۔

برونکیائی نالیاں (Bronchial Tubes): ہوا کو مزید تقسیم کرتی ہیں۔

پھیپھڑے (Lungs): جہاں آکسیجن خون میں جذب ہوتی ہے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج ہوتی ہے۔

ہوائی تھیلیاں (Alveoli): مائیکروسکوپک ہوائی تھیلیاں جن کی دیواریں ایک خلیے سے بھی باریک ہوتی ہیں۔

خونی لحمیہ (Hemoglobin): آکسیجن کو خون میں باندھ کر جسم کے ہر خلیے تک پہنچاتا ہے۔

اور یہ سب صرف 0.4 سیکنڈ میں مکمل ہوتا ہے، ہزاروں بار روز، بغیر کسی شعوری کوشش کے۔ اب ذرا سوچیے کہ یہ سب نظام نہ صرف ایک ساتھ بنا بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ Perfectly Tuned (کامل متناسب) بھی ہوا۔

اگر نرخرہ ذرا سا بند ہو جائے تو انسان کا دَم گھٹنے لگتا ہے۔

ہوائی تھیلیوں کی جھلی موٹی ہو جائے تو آکسیجن جذب نہیں ہوتی۔

خونی لحمیہ ناقص ہو تو آکسیجن پورے جسم تک نہیں پہنچتی۔

تو اب سوال یہ ہے کہ:

کیا یہ سب کچھ بلیک آؤٹ میں خود بخود ہوا؟، یعنی بغیر کسی مؤجد، نگران یا باشعور انجینئر کے؟۔

2. کیا اِرتقاء اِس پیچیدگی کو سمجھا سکتا ہے؟:

اِرتقائی حیاتیات کہتی ہے کہ یہ نظام لاکھوں سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے بنا۔

ہر چھوٹی تبدیلی جس سے جاندار کو فائدہ ملا، وہ محفوظ ہوتی گئی اور آخر کار مکمل نظام بن گیا۔ لیکن یہاں کچھ اہم سوالات اُٹھتے ہیں۔

1: کیا ایک ادھورا نظامِ تنفس کسی کام کا ہو سکتا ہے؟۔

2: جب تک ہوائی تھیلیاں نہ ہوں، آکسیجن خون میں جذب نہیں ہو سکتی۔

3: جب تک خون میں خونی لحمیہ نہ ہو، جذب شدہ آکسیجن جسم میں نہیں جاسکتی۔

تو اگر یہ حصے الگ الگ ارتقاء پذیر ہوئے تو درمیانی مراحل میں وہ کس کام کے تھے؟۔ یعنی جب تک مکمل نظام نہ بنے، کسی ایک حصے کا فائدہ ہی نہیں تو قدرتی انتخاب کیوں اِسے محفوظ کرے گا؟۔

یہی Irreducible Complexity (ناقابلِ اختزال) دلیل ہے کہ کچھ نظام اتنے مربوط اور کُل کے محتاج ہوتے ہیں کہ اُن کا جزوی ارتقاء ممکن ہی نہیں۔

3. کیا اندھا، بے ارادہ، خودکار عمل ایسا "نازک متوازن نظام" پیدا کر سکتا ہے؟:

یہی اصل سوال ہے اور عقلاً، اِس کا جواب "نہیں" ہے۔

کیونکہ ایک بے شعور عمل نہ Fine-tuning (لطیف تناسب) کر سکتا ہے۔ نہ پیچیدہ Interdependency (باہمی انحصار) بنا سکتا ہے۔ نہ مستقبل کا فائدہ سوچ کر Intermediate Stages (درمیانی مراحل) کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔

4. اسلامی جواب یعنی اللہ کی تخلیق اور ہدایت:

قرآن بار بار کہتا ہے:

"صُنۡعَ اللّٰهِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ"۔ (سورہ النمل۔ آیت 88)

یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو خوب مضبوط اور مکمل بنایا۔

"الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی. وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی"۔ (سورہ الاعلیٰ۔ آیت 2،3)

جس نے پیدا کیا، پھر درست کیا اور اُسی نے تقدیر مقرر کی پھر رہنمائی کی۔

یعنی انسان کا جسم کسی اندھی فطرت کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک علیم و حکیم خدا کی بنائی ہوئی متوازن تخلیق ہے جس نے نہ صرف جسم کو بنایا بلکہ اِس کے نظاموں کو آپس میں جوڑا، متوازن رکھا اور مسلسل برقرار بھی رکھا۔

نتیجہ:

جو نظم ہمیں اپنی سانس میں، دل کی دھڑکن میں، خون کے بہاؤ میں نظر آتا ہے وہ بے شعور عمل سے نہیں آسکتا۔

نظم (Order) ہمیشہ کسی ناظم (Designer) کا پتہ دیتا ہے۔

جیسے ایک نظم پڑھ کر قاری شاعر کو یاد کرتا ہے ویسے ہی ایک پرفیکٹ نظامِ تنفس خود خدا کی گواہی دیتا ہے۔

جدید طبیعیاتی دلیل:

جدید طبیعیاتی سائنس بتاتی ہے کہ کائنات کے بنیادی طبیعیاتی قوانین (جیسے کششِ ثقل، الیکٹرو میگنیٹزم، نیوکلیئر فورسز) نہایت نازک انداز میں "فائن ٹیونڈ" ہیں۔ اگر اِن میں معمولی سا بھی فرق ہوتا تو نہ مادہ بنتا، نہ ستارے، نہ زمین، نہ زندگی۔

مثال:

* اگر کائناتی تسلسل (Cosmological Constant) میں معمولی تبدیلی آتی تو کائنات یا تو فوراً منہدم ہو جاتی یا پھیل کر خالی ہو جاتی۔

* کاربن ایٹم کی تشکیل کے لئے بھی ستاروں میں بہت خاص ردِ عمل ہونا چاہئے۔

* نتیجہ *:

اتنے حساس توازن کو محض اتفاق قرار دے دینا ناقابلِ فہم ہے۔ ایک ذہین اور قادر مطلق خالق نے اِن قوانین کو زندگی کیلئے سازگار بنایا۔

3. مقصدیت اور شعور کی دلیل:

انسان صرف مادّہ نہیں، اِس کے اندر شعور، ارادہ، اخلاقی حس، جمالیاتی حس اور مقصدیت موجود ہے۔ یہ خالص طبیعیاتی عمل سے پیدا نہیں ہو سکتے۔

* نتیجہ *:

شعور اور مقصد صرف اُس صورت میں ممکن ہیں جب کوئی اعلیٰ عقل و شعور رکھنے والی ہستی (خدا) ہمیں مقصد دے۔

4. کائناتی نظم و قانون کی دلیل:

پوری کائنات مخصوص ہم آہنگ قوانین پر چل رہی ہے جیسے کہ فزکس، ریاضی، کیمسٹری وغیرہ۔ سوال یہ ہے کہ یہ قوانین کہاں سے آئے؟ اور کیوں اِس قدر قابلِ فہم ہیں؟۔

* نتیجہ *:

قوانینِ فطرت کے پیچھے ایک ذہین اور قانون ساز ہستی کی ضرورت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خدا قادر مطلق ہے۔

5. اطلاقی مثال:

ڈی این اے کے اندر معلومات کی ترتیب (Information Coding) اتنی پیچیدہ اور بامقصد ہے کہ وہ ایک زبان یا کوڈ کی مانند ہے۔

مثال:

* ایک سادہ بیکٹیریا کے ڈی این اے میں لاکھوں کی تعداد میں معلومات محفوظ ہوتی ہیں۔

* معلومات بغیر کسی عقلی ذریعہ کے نہیں آتیں۔

* نتیجہ *:

اگر زبان، کوڈ، یا پروگرامنگ انسانی ذہن کے بغیر نہیں ہو سکتی تو ڈی این اے جیسا کوڈ بھی کسی اعلیٰ ذہانت کے بغیر ممکن نہیں۔

دلیل	خلاصہ	نتیجہ
گھڑی ساز کی دلیل	نظم کو دیکھ کر صانع کا ہونا لازم	خدا ایک عظیم ڈیزائنر ہے
فائن ٹیوننگ	قوانینِ فطرت میں نازک توازن	ایک عقل مند خالق
مقصدیت	شعور و اخلاق مادہ سے نہیں آتے	ایک مقصد دینے والا خدا
قوانینِ فطرت	کائناتی نظم قانون کی شکل میں ہے	قانون ساز خدا کی ضرورت
ڈی این اے	معلومات پر مبنی کوڈ کا خالق	اعلیٰ ذہانت یعنی خدا

اب ہم ہر دلیلِ نظم و غایت کو تین پہلوؤں سے دیکھیں گے۔

1. * عقلی بنیاد (Rational Basis) *

2. * اعتراضات اور اِن کے جوابات (Objections and Responses) *

3. * اسلامی تناظر (Islamic Perspective) *

1. گھڑی ساز کی دلیل (Watchmaker Argument):

عقلی بنیاد:

* کوئی بھی پیچیدہ اور مربوط چیز جیسے گھڑی خود بخود نہیں بن سکتی۔ * کائنات کی پیچیدگی گھڑی سے کہیں زیادہ ہے تو اِس کے لئے بھی کسی صانع کی ضرورت ہے۔

عام اعتراض:

"ہم کائنات کے ڈیزائنر کو نہیں دیکھتے تو کیسے مانیں؟"۔

جواب:

* ہم کبھی کبھی اثرات سے سبب تک پہنچتے ہیں، نہ کہ براہِ راست مشاہدے سے۔ جیسے فوسلز دیکھ کر ڈائناسارز کو مانا جاتا ہے، ویسے ہی نظم دیکھ کر خالق کو مانا جاتا ہے۔ پس اثبات ہر وقت مشاہدہ کا متقاضی نہیں ہوتا۔

اسلامی تناظر:

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ۔ (سورہ الذاریات۔ آیت 20)

"اور زمین میں اہلِ یقین کیلئے نشانیاں ہیں"۔

2. دلیلِ فائن ٹیوننگ (Fine-Tuning Argument):

عقلی بنیاد:

* کائنات کے قوانین اور تسلسلات (Constants) اِس قدر نازک تناسب میں واقع ہیں کہ اگر ایک بال برابر فرق ہوتا تو زندگی ناممکن تھی۔

* اِس فائن ٹیوننگ کا بہترین عقلی نتیجہ یہ ہے کہ کسی نے اِسے جان بوجھ کر اِس طرح ترتیب دیا۔

عام اعتراض:

"یہ ممکن ہے کہ مختلف کائناتیں ہوں (Multiverse Theory)، اور ہم خوش قسمتی سے اِس میں موجود ہیں۔"

جواب:

* Multiverse خود بغیر ثبوت کے قیاس ہے اور وہ بھی فائن ٹیوننگ کی مکمل طور پر وضاحت نہیں کرتا۔

* نیز، Multiverse بھی اگر ہے تو اِس کے "Laws" اور "Generator" کہاں سے آئے؟۔ بہر کیف اِن سب کو بھی کسی ڈیزائنر کی ضرورت ہے۔

اسلامی تناظر:

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ۔(سورہ السجدہ۔ آیت 7)

"وہ اللہ جس نے ہر چیز کو تناسب سے بنایا۔"

3. مقصدیت اور شعور (Purpose and Consciousness):

عقلی بنیاد:

* انسان صرف جسم نہیں بلکہ شعور، اِرادہ و اختیار اور اخلاقی و جمالیاتی شعور بھی رکھتا ہے۔

* شعور اور اخلاقیات کا وجود صرف مادّی قوانین سے Explain نہیں ہوتا۔

* اِس کا بہترین مآخذ ایک اعلیٰ شعور والا خالق ہے جس نے ہمیں مقصد دیا۔

عام اعتراض:

"شعور صرف دماغ کی ایک پراڈکٹ ہے، علاوہ ازیں کچھ نہیں۔"

جواب:

* شعور کا Subjective تجربہ (Qualia، ارادہ و اختیار، اخلاقی بوجھ) صرف مادی توجیہ (Material Cause) سے Explain نہیں ہوتا۔ یہ فلسفہِ ذہن کا لاینحل (Unresolved) مسئلہ ہے۔

* اگر شعور محض وہم (Illusion) ہے تو خود سائنس، دلیل اور علم پر بھی شک لازم آتا ہے اور یوں فہم غارت ہو جاتا ہے۔

اسلامی تناظر:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا۔(سورہ المؤمنون۔ آیت 115)

"کیا تم نے گمان کر لیا کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا؟"۔

4. قوانینِ فطرت کی دلیل(Laws of Nature):

عقلی بنیاد:

* کائنات ریاضیاتی اور حاملِ قانون ہے جیسے کہ Gravity، Relativity، Electromagnetism۔

* یہ قوانین کیسے وجود میں آئے؟، اور اتنے ہم آہنگ کیوں ہیں؟۔

عام اعتراض:

"یہ قوانین صرف ہمارے مشاہدے کی عادتیں ہیں۔"

جواب:

* سائنسی پیشن گوئیاں اِنہی قوانین پر اعتماد سے ہی واقع ہوتی ہیں، چنانچہ یہ "محض عادت" نہیں۔

* اگر قوانین معقول ہیں تو اِن کا عقلی مآخذ ہونا چاہئے۔

اسلامی تناظر:

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ۔ (سورہ الفتح۔ آیت 23)

"یہ اللہ کا قانون ہے جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔"

5. ڈی این اے اور معلوماتی کوڈ (Biological Information Argument):

عقلی بنیاد:

* ڈی این اے میں انفارمیشن کوڈ موجود ہے، جیسے کسی پروگرامنگ لینگویج میں ہوتا ہے۔

* انفارمیشن ہمیشہ ذہانت سے آتی ہے، بے ترتیب میکانزم سے نہیں۔

عام اعتراض:

"ارتقاء نے ڈی این اے کی پیچیدگی کو وقت کے ساتھ پیدا کیا۔"

جواب:

* ارتقاء بھی تب ہی کام کرتی ہے جب ڈی این اے جیسا نظام موجود ہو، یہ اِس کی *توجیہ* نہیں بلکہ *مفروضہ* ہے۔

* انفارمیشن از خود پیدا نہیں ہوتی، یہ ناقابلِ اختزال پیچیدگی (Irreducible Complexity) رکھتی ہے۔

اسلامی تناظر:

خَلَقَ الإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ (سورہ العلق۔ آیت 2)

"انسان کو خون کی ایک جمی ہوئی بوند سے پیدا کیا۔"

نتیجہ:

ہر دلیل ہمیں بتاتی ہے کہ:

* کائنات اندھی طاقتوں کی پیداوار نہیں۔

* نظم، غایت اور معلوماتی نظام کے پیچھے عقل مند خالق موجود ہے۔

* اسلامی تعلیمات میں یہ دلائل براہِ راست قرآن کی آیات سے ہم آہنگ ہیں۔

☆☆☆☆☆

اخلاقی دلائل

The Moral Arguments

آپ ایک لمحے کیلئے فرض کریں کہ کوئی خدا نہیں ہے۔ بس اتنا ہی فرض کر لیں اور اپنی ذات اور اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑا کر غور کریں تو آپ کے پاس حیرت و استعجاب کے علاوہ کچھ نہیں بچے گا۔ آپ کی عقل اب ایک ایسے متوَحّش (Horrible) مقام پر کھڑی ہو گی کہ جہاں سے آپ کو اِس وحشت سے نکلنے کی ایک ہی صورت نظر آئے گی یعنی خودکشی۔ قادر مطلق خدا کو مسترد کر دینے کے بعد انسان اپنے وجود کی معنویت اور اِس کائنات کی توجیہ سے کُلی طور پر محروم ہو جاتا ہے۔

صرف اتنا سمجھ لینا کہ انسان محض ایک ارتقاء یافتہ جانور ہے اِس کے بعد پھر کچھ سمجھ آنا ہی بند ہو جاتا ہے۔ انسان حیوانی لحاظ سے تو جانور ہو سکتا ہے اور اِسے مان لینے میں کوئی حرج بھی نہیں لیکن یہ کہہ دینا کہ انسان صرف ایک حیاتیاتی جانور ہے قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ ہم سوچتے ہیں، مطلق خیر و شر کا شعور رکھتے ہیں نہ صرف اتنا بلکہ اپنے اندر ایک زبردست جمالیاتی احساس بھی رکھتے ہیں۔

ہماری عقل شر نہیں پیدا کر سکتی نہ ہی خیر کو وجود بخش سکتی ہے صرف خیر و شر کا ادراک کر سکتی ہے اور یہی اِس کی حد ہے۔ انسان کے اندر خیر و شر کا ادراک ہی اِسے دیگر تمام مخلوقات سے برتر کر دیتا ہے۔

خدا کے وجود پر اخلاقی دلائل (Moral Arguments) فلسفے اور الٰہیات میں بہت اہم مقام رکھتے ہیں کیونکہ یہ دلائل انسان کے اخلاقی شعور، جمالیاتی احساس، ضمیر اور نیکی و بدی کے تصورات کی تشریح خدا کے وجود کے ذریعے کرتے ہیں۔ ذیل میں کچھ اہم اور خالص عقلی بنیادوں پر قائم اخلاقی دلائل پیش کئے جا رہے ہیں۔

1. معروضی اخلاقی اقدار کا وجود

(Argument from Objective Moral Values):

اگر خدا موجود نہیں ہے تو معروضی اخلاقی اقدار و فرائض (Objective Morals and Duties) کی کوئی بنیاد نہیں بچتی، لیکن ہم سب اِس بات کا تجربہ کرتے ہیں کہ کچھ اقدار جیسے ظلم، قتلِ ناحق، بچوں پر زبردستی، زنا بالجبر، فطری طور پر غلط ہیں اور محبت، عدل، دیانتداری فطری طور پر درست۔ فلہٰذا معروضی اخلاقی اقدار کے وجود سے خدا کا وجود لازم آتا ہے۔

تشریح:

خالص مادّی یا اِلحادی نظام میں اخلاق محض ایک سماجی معاہدہ یا دماغی کیمیکل کا نتیجہ بن جاتے ہیں نہ کہ کوئی فطری حقیقت۔ خدا ہی وہ ہستی ہو سکتی ہے جو اخلاق کو ماورائے انسان بنیاد عطاء کرتی ہے۔

2. انسانی ضمیر کا استدلال (Argument from Conscience):

دلیل:

ہر انسان کے اندر ایک "باطنی آواز" یا ضمیر پایا جاتا ہے جو اچھے اور بُرے میں فرق کرتا ہے۔ یہ ضمیر بیرونی سماجی یا حیاتیاتی عوامل سے مکمل طور پر قابلِ توضیح نہیں ہوتا۔ سب سے بہتر وضاحت یہ ہے کہ ضمیر ایک اعلیٰ اخلاقی ہستی (خدا قادر مطلق) کی طرف سے عطاء کردہ رہنمائی ہے۔ قرآن میں ہے۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا۔ (سورہ الشمس۔ آیت 8)

پس ہم نے الہام کی انسان کو اُس کی نیکی و بدی (خیر و شر کا شعور)۔

تشریح:

انسان کا ضمیر اکثر ذاتی فائدے کے خلاف بولتا ہے جو کہ ارتقائی اُصولوں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ یہ باطنی آواز کسی اعلیٰ اخلاقی قانون دینے والے کے حق میں دلیل بنتی ہے۔

3. مقصد، معنیٰ اور اخلاقی احتساب کا استدلال

(Argument from Moral Accountability):

دلیل:

ہم فطری طور پر محسوس کرتے ہیں کہ اچھے اعمال کا صلہ اور بُرے اعمال کی سزا ہونی چاہئے، لیکن اِس دنیا میں یہ مکمل انصاف اکثر و بیشتر نہیں ہو پاتا اور یوں ہمارے اندر انصاف کی طلب اَدھوری رہ جاتی ہے۔ پس ایک ایسی ہستی درکار ہے جو بہر حال کبھی نہ کبھی کامل انصاف دے سکے۔ قرآن میں ہے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا۔(سورہ الانبیاء۔ آیت 47)

اور قیامت کے دن ہم انصاف کی ترازو قائم کریں گے پھر کسی پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا۔

تشریح:

اگر خدا نہ ہو تو اخلاق محض ایک بے بنیاد توقع یا انسانی جذبات کا فریب بن جاتے ہیں لیکن صد شکر کہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ہماری فطرت میں انصاف کی پیاس، جزا و سزا کا تصور ایک عادل خدا پر دلالت کرتا ہے۔

4. اخلاقی اصلاح اور انبیاء کرامؑ کی بعثت کا استدلال

(Argument from Moral Reformation and Prophetic Logic):

دلیل:

تاریخِ انسانی میں ہر قوم میں نیکی، حق، صدق اور عدل کا پیغام دینے والے انبیاء کرام علیہم السلام آئے۔ اِن کا مقصد اخلاقی اصلاح تھا اور اکثر وہ دنیاوی لحاظ سے ناکامی کا سامنا کرتے ہوئے بھی صداقت پر ڈٹے رہے۔ یہ اخلاقی عظمت اِس بات کی علامت ہے کہ وہ کسی اعلیٰ طاقت (قادر مطلق خدا) کے اِشارے پر کام کر رہے تھے ورنہ اپنے وسائل اور مفادات کو قربان کرکے لوگوں کی زجر و توبیخ کا سامنا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟۔ چنانچہ انبیاء کرامؑ کا بے لوث ایثار اور تعلیم و تعلم ہی خدا قادر مطلق کی طرف سے ہدایت کا واضح ثبوت ہے۔ قرآن میں ہے۔

رُّسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ ۔(سورہ النساء۔ آیت 165)

سارے رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تا کہ اِن کو مبعوث کرنے کے بعد اللہ کے مقابلہ میں انسان کے پاس کوئی حجت نہ رہے۔

تشریح:

اگر دنیا میں کوئی خدا نہ ہو تو پھر انبیاء کرامؑ کی جدوجہد، اُن کی اخلاقی عظمت اور اُن کی طرف سے دی جانے والی قربانیاں محض ایک جذباتی مظہر بن کر رہ جاتی ہیں۔ لیکن تاریخی طور پر انبیاء کرامؑ نے اپنی جان، مال، حیثیت اور بعض اوقات اپنی قوم تک کو چھوڑ کر صرف خدا کی ایماء پر حق اور انصاف کیلئے آواز بلند کی اور یہ اُس وقت جب اُن کیلئے دنیاوی کامیابی کا کوئی امکان تک موجود نہ تھا۔ یہ حقیقت کہ دنیا کے ہر گوشے میں اخلاقی رہنما نمودار ہوئے جو ایک ہی طرح کے بنیادی اخلاقی اُصول سکھاتے ہیں، اِس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ سب کسی مشترکہ اعلیٰ اخلاقی منبع یعنی خدا قادر مطلق سے فیض یافتہ ہوں۔

5. انسانی عظمت اور عزتِ نفس کا استدلال

(Argument from Human Dignity and Ego):

دلیل:

انسان کو "باعزت مخلوق" مانا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہر انسان کی جان قیمتی ہے، غلامی اور ظلم غلط ہے۔ اگر انسان محض اتفاقی کیمیاء ہے تو پھر اِس کی جان کو کوئی مافوق الفطرت حرمت حاصل نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن اگر خدا نے انسان کو شرف کے ساتھ پیدا کیا ہے تو تب ہی یہ اخلاقی عظمت معنیٰ رکھتی ہے۔ انسان کی عزتِ نفس یا ایگو ہی دراصل

ایک واضح ثبوت ہے خدا قادر مطلق کے وجود کا ورنہ خدا کو مسترد کر دینے کے بعد انسان اپنی خودی (Ego) سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ۔

(سورہ الحشر۔ آیت 19)

اور نہ ہو جانا اُن لوگوں کی مانند جنہوں نے اللہ کو بھُلا دیا، پس اللہ نے اُنہیں اپنی ذات سے بے بہرہ کر دیا یعنی وہ وجودی بحران (Existential Crisis) کا شکار ہو گئے۔

تشریح:

اگر انسان محض ایک اتفاقی حیاتیاتی وجود ہے جیسا کہ دہریہ یا اِلحادی نظریات دعویٰ کرتے ہیں تو پھر "انسانی حقوق"، "انسانی حرمت"، اور "انسانی مساوات" جیسی اقدار کی کوئی حتمی اور قطعی بنیاد نہیں بنتی۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہر انسان فطری طور پر اِس احساس کے ساتھ پیدا ہوتا ہے کہ وہ قابلِ احترام ہے اور کسی پر ظلم یا زیادتی کرنا فطری طور پر غلط ہے۔

یہ عزت اور شرف تب ہی معقول ہے جب انسان کو کسی ذی شعور اور بلند ہستی نے بامقصد طور پر پیدا کیا ہو اور وہ ہستی خدا ہی ہو سکتی ہے۔ خدا کا انکار گویا انسانی وقار اور اخلاقی مقام کا بھی انکار ہے۔

نتیجہ:

یہ تمام اخلاقی دلائل اِس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ خدا قادر مطلق، ایک اخلاقی قانون ساز، ضمیر کا خالق، عدل کا منبع، کا وجود اخلاقیات کی سب سے بہتر اور ہر لحاظ سے تسلی بخش اور پائیدار وضاحت فراہم کرتا ہے۔ اگر خدا نہ ہو تو نیکی و بدی کا تصور بھی محض ایک دھوکہ بن کر رہ جاتا ہے کیونکہ خدا کے بغیر نیکی یا تو مفاد کی غرض سے اختیار کی جائے گی یا پھر سماجی معاہدہ کے تحت، چنانچہ جب انسانی مفاد نیکی کی وجہ سے متاثر ہو گا تو انسان نیکی ترک کر دے گا اور بدی اختیار کر لے گا۔ بالکل یہی حال آج کل کی سیکولر معاشرت کا ہے۔ پس میری نیکی، میری دیانت، میرا صدق، میرا ایثار نہ تو کسی مفاد کے تحت پنپ سکتا ہے اور نہ ہی کسی مصنوعی سماجی معاہدہ کی بنیاد پر قائم رہ سکتا ہے بلکہ اِس کیلئے روشن ضمیری اور اُس قادر مطلق خدا پر کامل ایقان چاہیئے جس کے ذمہ ہے میری ہر نیکی کا بدلہ اور میرے ہر صبر کا اَجر۔ **وما توفیقی الا باالله۔**

☆☆☆☆☆



سید المجاذیب خواجہ نعمان نیئرؔ کلاچوی صوبہ خیبر پختونخواہ کی ایک دور اُفتادہ تحصیل کلاچی کے باسی ہیں۔ آپ ایک جامع العلوم شخصیت ہیں۔ آپ بیک وقت مذاہبِ عالم، علم الکلام و فلسفہ، شعر و اَدب، صحافت و بلاغت، معاشرت و سیاست، نفسیات و روحانیات اور رقص و موسیقی پر گہری گرفت رکھتے ہیں۔ آپ ایک طویل عرصے سے مسلسل گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے ہیں اور دریں اثناء علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ ماڈرن فلاسفی اور علمِ نفسیات پر آپ کا علمی کام اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں انٹرنیٹ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ چھ کتابوں "عشق کی سائنس"، "تصوف کی ڈکشنری"، "صراطِ دانش"، "سوزِ نہاں"، "قبیلہ نور احمد خیل" اور " Trek to Intellect " کے مصنف ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر کئی مقالات و علمی شذرات کے بھی مؤلف و مصنف ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ بھی آپ ہی کی علمی و تحقیقی جہد کا ماحصل ہے۔